بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

آج کل عام فرقہ وارانہ کشیدگی اور آئے دن کے فسادات کی وجہ سے ملک میں جو افسوسناک صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے اس نے ہر جگہ شہری زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ لیکن ہر چیز کی طرح موجودہ صورتِ حال کے بھی کچھ اسباب و وجوہ ہیں جن پر دونوں فرقوں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں تک آزادی کیلئے جدوجہد کا تعلق ہے مسلمانوں نے بڑی فراخدلی اور دلیری کے ساتھ ہندوؤں کا ساتھ دیا ہے اور اس منزل کے کسی ایک مرحلہ پر بھی ان کا قدم اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہیں رہا۔ انھوں نے اقلیت میں ہونے اور قومی لحاظ سے کمزور ہونے کے باوجود قربانیاں دیتے وقت یہ سوال بھی نہیں اٹھایا کہ خود ان کے اپنے حقوق کیا ہیں اور حصولِ آزادی کے بعد اس میں خود ان کا اپنا حصہ کیا ہوگا۔

۱۹۳۵ء کے ایکٹ پر عمل درآمد ہونے کے بعد اُن کو اپنے جنگِ آزادی کے ساتھیوں کے طرزِ عمل وحکومت سے پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ ان کو اپنے حقوق اور ان کی حفاظت کے مسئلہ کو یونہی لیت و لعل میں نہیں رکھنا چاہئے اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ عرصہ دراز کی جدوجہد کے بعد جو چیز مستقبل قریب میں حاصل ہونے والی ہے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی یہ طے کر لینا چاہئے کہ اس میں کس کا کتنا حصہ ہوگا! اب دونوں فرقوں میں کشیدگی اور اختلاف کی خلیج حائل ہوگئی اور بدقسمتی سے بجائے اس کے کہ اس کو دور کرنے کی کوئی موثر کوشش عمل میں لائی جاتی۔ کچھ اندرونی اور بیرونی عوامل ایسے پیدا ہوتے رہے کہ یہ خلیج روز بروز وسیع تر ہی ہوتی رہی۔

ایک طرف ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں یہ کشمکش بڑھتی چلی جا رہی تھی اور دوسری جانب دنیا کی بین الاقوامی سیاسیات کا رخ بڑی تیزی سے بدل رہا تھا۔ جنگ جب ختم ہوئی ہے تو فیشزم اور نیشنل سوشلزم تو اس کی آگ میں جل بھن کر خاک سیاہ ہو ہی چکے تھے لیکن شہنشاہیت بھی نیم مردہ ہو چکی تھی اور اب ضروری تھا

کہ اس کا اثر ہندوستان ایسے عظیم الشان ملک پر بھی پڑے۔ وقت کی طبعی رفتار کا یہ فطری تقاضا تھا جسے کوئی قوت ہزار جتن کے بعد بھی روک نہیں سکتی تھی۔ آج ہندوستان میں آئینی انقلاب جس صورت میں رونما ہوا ہے وہ وقت کے اسی تقاضہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ وقت اپنے تقاضوں کے پورا کرنے میں ہمیشہ سے انتہا درجہ کا مستبد واقع ہوا ہے اُسے کبھی اس کی پروا نہیں ہوتی کہ اس کے فیصلہ سے کوئی قوم بگڑتی ہے یا سنورتی ہے یا کوئی قوم اس سے خوش ہوگی یا ناراض! ولیس علی ریب الزمان معول۔

بہرحال آج جبکہ ہندوستان آئینی انقلاب کے دروازہ میں داخل ہوچکا ہے اور اس کی وجہ سے اس ملک پر اقتدار اعلیٰ کی لگام انگریز کے ہاتھوں سے منتقل ہوکر ایک ایسی جماعت کے ہاتھوں میں آگئی ہے جس میں اکثریت اور قوی عنصر بہرحال ہندوؤں کا ہی ہے۔ اگر مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ

محفل اُن کی "ساقی" اُن کا آنکھیں میری باقی ان کا

تو کوئی شبہ نہیں کہ اُن کا یہ احساس بالکل فطری اور طبعی ہے جس پر انھیں کوئی ملامت نہیں کرسکتا۔ اس مرحلہ پر ہندوؤں کو ایک لمحہ کے لئے یہ حقیقت نظر انداز نہ کرنی چاہئے کہ اس ملک کی سرزمین سے جو تعلق ان کا ہے وہی مسلمانوں کا ہے وہ تقریباً ایک ہزار سال سے یہاں رہتے بستے چلے آئے ہیں انھوں نے آٹھ سو سال تک یہاں حکومت کی ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے کہ انھوں نے یہاں آباد ہوکر اس ملک کی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا، کلچر کو ترقی دی، علوم وفنون کو رائج کیا۔ ادب اور فنِ تعمیر کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔ انھوں نے اس ملک کے پرانے باشندوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کی یادگاریں یہاں کی مشترکہ زبان اور مخصوص فنِ تعمیر کے نمونوں اور غیر مسلموں کے لئے فرامین اور جاگیروں کی شکل میں اب بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس سرزمین کے چپہ چپہ پر ان کی عظمت، بزرگی کے نشان بکھرے ہوئے ہیں جن کی زبان سے یہ کاروانِ رفتہ آج بھی یہ کہتا ہوا سنائی دے رہا ہے۔

تلک اٰثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الاٰثار

اس بنا پر مسلمانوں کو بھی اس سرزمین پر حکومت کرنے اور عزت وخودداری کی زندگی بسر کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ہندوستان کی سب سے بڑی قوم کو ہے اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد

ہندوؤں کا یہ فرض ہے کہ چونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور اس وقت حکومت پر بھی انھیں کا قبضہ ہے اس بنا پر وہ مسلمانوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنے اور اس طرح ان کا اعتماد حاصل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ مسلمان اپنی فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے بہت کشادہ دل اور فراخ حوصلہ ہوتا ہے اگر فریقِ ثانی کی طرف سے ایمانداری دیانت خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اس قسم کی کوشش عمل میں آئی تو موجودہ فرقہ وارانہ کشیدگی کا بہت جلد خاتمہ ہوسکتا ہے ورنہ یہ واقعہ ہے کہ اگر آج شیواجی کی ذہنیت کے "شرارِ بولہبی" کو احساسِ برتری کے دامن سے ہوا دینے کی کوشش کی گئی تو کون کہہ سکتا ہے کہ فطرت کے قانونِ ازلی کے مطابق وہ عالمگیر کی فطرت "اسد اللہی" کے پھر بیدار ہونے کا سبب نہ بنے گی۔

دوسری جانب مسلمانوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ محض جذبات سے مشتعل ہوکر حقائق کو نظرانداز کردینا شیوۂ فرزانگی نہیں ہے انھیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ گذشتہ دو سو برس میں یعنی ہندوستان میں انگریزوں کے عمل دخل سے لیکر آج تک کتنی مرتبہ انھوں نے اپنی عظمتِ گذشتہ کو سنبھالنے اور اسے پھر سے بحال کرنے کی اجتماعی کوششیں کیں لیکن ان کا انجام کیا ہوا! جنگِ پلاسی میں سراج الدولہ نے شکست کھائی۔ سرنگاپٹم میں سلطان ٹیپو نے جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی عظیم الشان تحریک ناکام رہی۔ جنگِ پلاسی سے پورے سو سال بعد ۱۸۵۷ء میں اُن کا جوش خروش پھر اُبل پڑا لیکن اس مرتبہ وہ شکست فاش ہوئی کہ اس کا زخم اب تک مندمل نہیں ہوسکا۔ اگر ماضی کے واقعات سے مستقبل کیلئے کوئی عبرت حاصل کی جاسکتی ہے تو انھیں سوچنا چاہئے کہ یہ وقت اُن کے لئے انتہائی روشن خیالی، بیدار مغزی اور سمجھ بوجھ سے کام لینے کا ہے۔ اشتعال کی حالت میں کوئی ایک غیر مآل اندیشانہ حرکت ایک عظیم خسارہ اور تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔ ڈسپلن، یک جہتی اور اتفاق، ہمت و عزم اور ساتھ ہی روشن دماغی اور وقت شناسی ان چیزوں کی جو ضرورت آج ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ پھر مسلمانوں کو یہ بھی نظرانداز نہ کرنا چاہئے کہ وہ کسی حالت میں بھی اسلام کے احکام سے آزاد نہیں ہوسکتے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی — کسی قوم کا بغض تم کو اس پر مجبور نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو (نہیں) تم انصاف کرو۔ یہی چیز تقوی سے زیادہ قریب ہے۔

اس بنا پر ہماری سیاسی جدوجہد اس نہج پر چلنی چاہئے کہ ہمیں اس مقصد میں کامیابی بھی ہوجائے اور ساتھ ہی اخلاق فاضلہ کا جو ورثہ ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا ہے اور جو ہمارا قومی طغرائے امتیاز ہے اس پر بھی کوئی حرف نہ آنے پائے۔ "جام و سندان باختن" ہر چند دشوار سہی لیکن مسلمانوں نے بارہا یہ کھیل کھیلا ہے آج انھیں پھر اپنی اسی صلاحیت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

اگر ہندو اور مسلمان دونوں اپنی اپنی جگہ پر ان چند بنیادی معروضات کو پیش نظر رکھیں تو امید ہے سیاسی اقتدار کی ۴۶ عام فرقہ وارانہ تقسیم کے خلاف ان میں جو کشمکش جاری ہے وہ بغیر اس کے بھی جاری رہ سکتی ہے کہ آئے دن ملک میں خون خرابے ہوں اور آئے دن کے حملوں اور فرقہ وارانہ فسادات کے باعث روزانہ کی شہری زندگی خطرہ میں پڑے۔